اسلامی بیداری کی لہر

رئیس احمد جارچوی
مدیر ماہنامہ ناصر، دہلی

اسلام ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک مکمل اور مدلّل ضابطۂ حیات ہے۔ جس میں دینداری کے جذبات بھی ہیں اور دین پناہی کے اصول بھی، کوئی گوشۂ حیات اجاگر ہونے سے نہیں بچا ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ کو روشن اور واضح کرکے پیش کیا گیا ہے۔ نگہبانی سے جہانبانی تک کے اصول اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ اور اصول بھی ایسے کہ جن کی بنیاد ظلم کے بجائے عدل پر استوار ہے۔

مسلمان کو جو چیز اسلام سے جوڑتی ہے وہ اس کا عمل ہے، اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی قوانین کے مطابق جو شخص عمل کر رہا ہے وہ مسلمان ہے مثلاً ایک نمازی کو نماز پڑھتے دیکھ کر ہر انسان یہی تصور کرے گا کہ یہ مسلمان ہے۔ اس لئے کہ نمازی عمل اس کے مسلمان ہونے کا ثبوت ہے۔ کسی چرچ میں بیٹھے ہوئے شخص کو مخصوص عبادت انجام دیتے ہوئے دیکھ کر اس کے عیسائی ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ کسی مندر میں مورتی کے سامنے پوجاپاٹ کرتے ہوئے دیکھنا اس کے ہندو ہونے کا ثبوت ہے۔ اس طرح مسلمان کا اسلامی قوانین کے مطابق عمل کرنا اس کے اسلام ظاہر کو ثابت کرتا ہے۔ مگر خود اس میں ایمان اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک توحید کا قائل نہ ہو اسلامی فلسفہ کی روح رواں توحید خداوندی ہے۔ اگر کسی کے یہاں عمل کے نام پر سب کچھ موجود ہو لیکن وہ توحید خداوندی کا قائل نہ ہو تو اس کے عمل کی کوئی حیثیت نہیں رہتی بلکہ قرآنی بیان کے مطابق اس کا عمل اکارت ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں اسی عقیدۂ توحید کو ایمان کہا جاتا ہے یعنی اللہ کو ایک ماننا اور اس ماننے کو گرہ کی طرح دل میں روح کے ساتھ باندھ لینے کو ایمان کہا جاتا ہے اور پھر ایمان ہی سرمایۂ حیات بھی ہوتا ہے اور طاقت بھی۔ ایمان جتنا دل کی تہوں میں اتر جائے گا مسلمان اتنا ہی قوی ہوجائے گا چنانچہ اوائل اسلام کی تاریخ اوراق پر وہ واقعات ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں جن میں ایمان کا مکمل عکس دیکھا جاسکتا ہے۔ حضرت عمار یاسر ان کے والد یاسر اور ان کی ماں سمیہ کے واقعات ایمان کے چاندتاروں کی طرح ضوفگن ہیں۔ عقیدۂ ایمان کی اس لئے ضرورت ہے کہ اس کے بعد پھر کوئی اور تصور باقی نہیں

رہتا اس لئے ایمان سے بالاشئی کوئی اورنہیں ہے۔ ایمان انسان کو دنیا سے ٹکرانے کی قوت عطا کرتا ہے۔ دین کی راہ میں جو چیز آڑے آئے اسے ایمانی قوت سے ہی ہٹایا جاسکتا ہے۔ جنگ بدر کے موقع پر کفر بڑھتے سیلاب کے مقابلے میں تین سو تیرہ مسلمانوں کو شجاع، بہادر اور پرعزم بنانے والا یہی جذبہ ہے وہ ایمان کی قوت ہی تھی جس نے عرب سورماؤں کو موت کی نیند سلادیا۔ اسلام کے اس قلیل لشکر کو یہ احساس تھا کہ ہمارے ساتھ خدا ہے، اور خدا کے ہوتے ہوئے کوئی طاقت نقصان نہیں پہونچاسکتی۔ اس لئے کہ خدا سے بڑی کوئی طاقت نہیں۔ وہ خدا ہی جو کمزور کا طاقتور اور طاقتور کو کمزور بنادیتا ہے انہوں نے حضرت علی بن ابیطالب کی زبانی قرآن کی یہ آیت سن لی تھی۔

ذالک بانّ اللّٰہ مولی الّذین آمنوا وانّ الکافرین لامولی لھم (سورۂ محمد آیت ۱۱۔)

یہ اسی لئے ہے کہ یقیناً اللہ ان لوگوں کا مولا ہے جو ایمان لے آئے اورحقیقت یہ ہے کہ کافروں کا کوئی مولانہیں ہے۔ بظاہر یہ آیت چند الفاظ کا مجموعہ ہے مگر اس میں جو پیغام دیا گیا وہ صبح قیامت تک امت مسلمہ کے لئے سرمایۂ نجات ہے۔ انہیں ناطاقتی کے احساس سے نکالنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ ان کا پشت پناہ، سرپرست اور ولی و وارث ہے۔ جو اللہ کے دین کی حفاظت اور انسانی اقدار کو بچانے کے لئے میدان جہاد میں اترے ہوئے ہیں تو اللہ ان کی ہر طرح مدد فرمائے گا۔ انہیں ذلیل ورسوا نہیں ہونے دے گا اور یہی جذبۂ ایمان ہے۔ جب تک مسلمان میں یہ جذبہ بیدار رہے گا سربلندی اس کا مقدر رہے گی یہ جذبہ جتنا سرد پڑتا جائے گا اتنی ہی نکبت، مسکنت اور ذلت مسلط ہوتی جائے گی۔ دراصل کفار کے ہاتھوں اہل اسلام کی تذلیل خود اہل اسلام کے ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے ورنہ ایمان کے ہوتے ہوئے قتل ہوجانا تو ممکن ہے مگر ذلت مسلّط نہیں ہوسکتی اسی لئے کہ ایک مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک بہت عظیم ہے۔ خدا اس کی جان مال، عزت اور آبرو کا محافظ ہے۔ جب تک ایمان اس کے اندر موجود رہے گا اللہ خود اس کی حرمت کا محافظ ہے۔

مومن خدا کی نظر میں

ایمان جس کے یہاں پایا جائے اسلامی اصطلاح میں اسے مومن کہتے ہیں چونکہ مومن اللہ پر یقین محکم رکھتا ہے لہٰذا اللہ بھی اس کے اعتماد ویقین کے قلعہ کو مسمار نہیں ہونے دیتا اس ضمن میں پیغمبر اسلام کی اس حدیث کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

"المومن اکرم علی اللّٰہ من ملائکتہ المقرّبین" (میزان الحکمۃ)

مومن اللہ کے نزدیک اس کے مقرب فرشتوں سے زیادہ عزت دار ہے (محترم ہے)

خیال رہے کہ پیغمبر اسلام کی اس حدیث کو فریقین نے اپنے یہاں نقل کیا ہے۔ ملا قاری علی متقی کے احادیث کے مجموعے "کنز العمال" میں معتبر سمجھتے ہوئے جگہ دی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے دو بڑے فرقوں نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

اس ضمن میں دوسری حدیث امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے جسے "الخصال" کے حوالے سے "میزان الحکمۃ" میں نقل کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"المومن اعظم حرمۃ من الکعبہ" (میزان الحکمۃ)

مومن حرمت کے لحاظ سے کعبہ سے عظیم تر ہے۔

مذکورہ بالا دونوں اقوال سے مومن کی حیثیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کی یہ حرمت ایمان کے سبب سے ہی قائم ہوتی ہے مومن جس قدر ایمان میں بلند ہوگا اس قدر اللہ کی نظر میں باوقار ہوگا۔ انتہا یہ ہے کہ اس کے عمل کی حیثیت بھی اس کے ایمانی مدارج سے طے کی جائے گی۔ چنانچہ قرآن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان کے بغیر کسی عمل کو کوئی حیثیت نہیں ہوتی اللہ نے جہاں جہاں عمل صالح کا ذکر کیا ہے یا مطالبہ کیا ہے وہاں وہاں عمل کو ایمان سے مشروط کیا "آمنوا وعملوا الصّالحات"، یعنی بغیر ایمان عمل بے معنی ہو کے رہ جاتا ہے۔

ایمان کیا ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل جزا کی منزل تک نہیں پہونچتا مگر خود عمل کسے کہتے ہیں یہ سوچنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ پیغمبر اسلامؐ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

"اوثق عری الایمان الولایۃ فی اللّٰہ۔ والحب فی اللّٰہ والنبض فی اللّٰہ۔

ایمان کا محکم ترین حلقہ اللہ کو ولی ماننا، اللہ سے محبت کرنا اور اللہ کے لئے دشمن کرنا ہے۔ یہ بظاہر آسان لگتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک نہایت مشکل کام ہے۔ اس حدیث کی رو سے ایمان کی شان یہ قرار پاتی ہے کہ ایک مسلمان صرف اور صرف اللہ کو اپنا ولی مانے، کسی سے محبت کرے تو اللہ کیلئے اور کسی سے نفرت کرے تو اللہ کیلئے۔ یہ اپنے امور میں کسی کو ولی بنا سکتا ہے۔ اور نہ اپنے نفس

کے تقاضے کے تحت کسی سے محبت کرسکتا ہے اور نہ ہی نفس کی بیماری کی بنا پر کسی سے نفرت کرسکتا ہے۔

اپنے لئے کسی سے محبت کرنا، جذبات سے مغلوب ہوکر کسی سے نفرت اور کسی طاقتور سے مرعوب ہوکر اس کی ظالمانہ حکومت کو الٰہی فیصلہ سمجھ کر خاموش رہنا نقص ایمان ہے۔ آیت اللہ خمینیؒ کے برپا کردہ انقلاب نے اس فلسفۂ عرفان کو واضح طور پر عالمی سطح کے اوپر پیش کردیا۔ اور ایمان کی طاقت کو اسلحے کے اوپر فتح مند کرکے ثابت کردیا کہ جنگ کو اسلحے کی بہتات سے نہیں جیتا جاسکتا بلکہ جنگ جیتنے میں کارآمد ترین اسلحہ ایمان ہے۔

ایران کے اسلامی انقلاب کے پس منظر میں جذبۂ ایمانی کی وہ جولانی ہی تھی کہ جس کے بل بوتے پر نہ صرف ایرانی قوم نے جنگ میں کامیابی حاصل کرلی بلکہ دوطرفہ محاذ کو بھی مغلوب کردیا۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ ایرانی قوم کے جذبۂ ایمانی نے برسہابرس سے قائم شہنشاہیت کا خاتمہ اورعوامی تقاضوں کے تحت جمہوریت کو مضبوط کردیا۔ کیا یہ بات قابل توجہ نہیں ہے کہ ایرانی قوم نے آیت اللہ خمینیؒ کی قیادت وسرپرستی میں ایمانی قوت کے سہارے اتنی بڑی اور مضبوط حکومت سے نہ صرف ٹکر لی بلکہ اس نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جس کی بنیادوں میں کمزوروں اور مظلوموں کا لہو دوڑ رہا تھا۔ شہنشاہیت کا تناور درخت جسے طوفانی ہوائیں ہلا بھی نہ سکی تھیں اسے ایمان کے ایک جھونکے نے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اور پوری دنیا پر یہ ثابت ہوگیا کہ مکروفریب اور بغاوت وسیاسی حکمت عملی کے ذریعہ حکومتوں کا تختہ الٹنا اور ہے، اور ایمانی قوت سے انقلاب برپا کرنا اور ہے۔ سیاسی حالات کے تحت جب کوئی نظام حکومت ریزہ ریزہ ہوتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا نظام قائم ہوتا ہے تو اسی وقت تک چلتا ہے جب تک حالات حکمرانوں کے موافق ہوتے ہیں اور حکمراں طبقہ میں اختلاف نہیں ہوتا لیکن حکمراں طبقہ میں ذراسا اختلاف پیدا ہوا کہ ہوائے زمانہ ہی بدل جاتی ہے۔ اور اتنی بدلتی ہے کہ جس نظام کو اتنی مضبوطی اور وسعت قلب ونظر سے قائم کیا جاتا ہے اسی کو خراب نظام کہا جانے لگتا ہے۔ تو انہیں ہر کمزوری جھول اور خامیاں نظر آنے لگتی ہیں عوام وخواص بددل ہوجاتے ہیں۔ حکمراں طبقہ کے خلاف عوامی سطح پر غم وغصہ کے آثار جگہ جگہ نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر یہ جذبات اشتعال کی شکل اختیار کرجاتے ہیں۔ حکومت کا نظام پھر بکھرنے لگتا ہے مگر الحمدللہ انقلاب اسلامی ایران کو ۳۳ برس مکمل طور پر گذر گئے۔ انقلاب کو ناکام کرنے کی مختلف سازشیں بھی ہوئیں لیکن انقلاب کے بعد جو نظام قائم ہوا تھا اس کی آب وتاب میں کوئی فرق نہیں آیا۔

فرق کیوں نہیں؟

شہنشاہیت کے بعد جو نظام حکومت تشکیل پایا وہ اسلامی نظام تھا جس کی بنیاد قرآن وسنت پر مشتمل اسلامی قوانین تھے۔ اور اسلام ایک فطری نظام زندگی ہے جسے خود خالق فطرت نے انسانی فطرت کا جائزہ لیکر وضع فرمایا ہے۔ اس لئے اس کی آب وتاب اس وقت تک باقی رہے گی جب تک ایرانی قوم میں ایمان کی حرارت اور قانون الٰہی پر چلنے کا جذبہ موجود رہے گا۔

مادر گیتی کی آغوش میں پلنے والے سپوتوں نے مختلف زمانوں میں مختلف حکمرانوں اور ان کے نظام حکومت کے خلاف انقلاب برپا کئے۔ ایک نہیں سیکڑوں بلکہ ہزاروں حکومتوں کا تختہ الٹا اور ان کی جگہ دوسری حکومتیں وجود میں آئیں۔ ان کے انقلابوں کے واقعات کتابوں میں تو برسوں پڑھے گئے مگر زبانوں پر ان کے چرچے بہت دنوں تک باقی نہیں رہ سکے دو چار برس بھی یہ سلسلہ نہیں چلا بلکہ ایک ڈیڑھ سال میں ہی زندگی معمول پر آجاتی ہے لیکن ایران کے اسلامی انقلاب کی داستانیں زیب تاریخ وادب بھی ہوئیں اور اس وقت سے لیکر آج تک یعنی ایک تہائی صدی گذر جانے کے بعد بھی انقلاب کے چرچے زبان زدخواص وعوام ہیں۔ پوری دنیا کے الیکٹرانک میڈیا سے پرنٹ میڈیا تک اور پرنٹ میڈیا سے لیکر داستان گویوں تک آج بھی ایران کا انقلاب کسی نہ کسی طرح سرخیوں میں رہتا ہے۔ حکومتیں اور طاقتیں ایران کے خلاف بیان جاری کرتے ہیں مگر اس کا اثر ایران کے حق میں ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں جتنے انقلاب رونما ہوئے ان کی قیادت سیاسی افراد کے ہاتھوں میں رہتی تھی۔ ایسے سیاسی افراد جنہیں مذہب ودین سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا تھا مگر ایرانی انقلاب کی قیادت روحانیت و اسلامیت نے کی جس کی وجہ سے یہ انقلاب اپنے اثرات کے ساتھ آج بھی باقی ہے اور آئندہ بھی اس وقت تک باقی رہے گا جب تک حکمرانوں میں دین ومذہب باقی رہے گا۔

دورس نتائج

آیت اللہ خمینیؒ نے صرف ایک ملک میں انقلاب برپا کیا تھا، ایرانی قوم کو ظلم پسند نظام سے نجات دلانا مقصود تھا۔ آپ نے یہ کام انجام بھی دیا۔ حالات اور کیفیات کے پیش نظر اس انقلاب کے اثرات کو بھی صرف ایران کی سرحدوں تک ہی محدود رہنا چاہیئے تھا مگر انقلاب کے اثرات صرف ایران تک محدود نہیں رہے بلکہ تمام مسلم ممالک کے عوام میں یہ بات رسوخ کرگئی۔ اور دیکھتے ہی

دیکھتے پوری دنیا میں روحانی انقلاب آگیا جہاں بوڑھوں میں دین ودیانت کا وجود نہ تھا وہاں نوجوان نسل تک میں مذہبیت بیدار ہوگئی۔صرف شیعی دنیا میں نہیں پورے عالم اسلام میں روحانیت وللٰہیت کا بول بالا ہوگیا۔ چونکہ حکمراں طبقہ یہ جانتا تھا کہ اگر یہ اثرات دیر تک رہ گئے تو خود ان کی بے دینی سے عوام بدظن ہوکر انقلاب لے آئیں گے اس لئے حکمرانوں کی واضح اکثریت نے شیعوں کے خلاف زہر اگلنا شروع کردیا مگر اب تک اسلامی انقلاب کے اثرات گہرے چکے تھے اور مسلم عوام کی اکثریت نے حکمرانوں کے فریب کو اچھی طرح محسوس کرلیا تھا۔ایک مختصر اور چھوٹے سے ٹکڑے کے علاوہ کسی پر ان کا جادو نہ چل سکا۔

انقلاب کا دوسرا اثر

ایک طرف روحانی طور پر مسلمانوں میں اسلام کے تئیں بیداری پیدا ہوئی تو دوسری طرف حکمرانوں کے مظالم سے تنگ آکر عوام نے گلو خلاصی کی تدبیر پر غور کرنا شروع کردیا اور واضح طور پر بے چینی پائی جانے لگی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کے بعد ایک کرکے کئی اسلامی حکومتوں میں انقلابیوں نے سرابھارنے شروع کردئے۔ مصر، تیونس، لیبیا، بحرین اور یمن میں انقلابی تحریکیں تیز ہوگئیں ،تیونس مصر اور لیبیا کا نظام یکسر بدل گیا۔لیکن بحرین اور یمن کی انقلابی تحریکیں دبادی گئیں۔ آج کل شام کی حکومت دنیا کے اخباروں اور ٹی وی چینلوں میں موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ بشارالاسد کے خلاف انقلابیوں نے مہم چھیڑی ہے۔ یہ انقلابی کون ہیں کیا ان کا تعلق شام سے ہے حالانکہ شام کے عوام بشار الاسد کی پالیسیوں سے اختلاف نہیں رکھتے بلکہ خوش ہیں تو یہ سوال اٹھتا ہے کہ انقلابی کون ہیں؟ مبصرین کے بیانات کو درست مان لیں تو بشار الاسد کو ایران نوازی کی سزا دی جارہی ہے۔ یہ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں جن کے لہجے بھی شامیوں سے مختلف ہیں مگر انہیں شام کا حصہ بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔ پوری اسلامی برادری کو اس موضوع پر غور کرنا چاہئے ورنہ ایک بار پھر اہل اسلام کسی بڑی سازش کا شکار ہوجائیں گے۔ رہی بشارالاسد کی حکومت تو اگر بشار الاسد کے یہاں دین ومذہب ہوگا تو کوئی اس حکومت کو گزند نہیں پہونچا سکے گا اس لئے کہ کمزور وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ خدا نہیں ہوتا اور اگر انسان کے ساتھ خدا ہے تو وہ اکیلا ہی طاقتور ہوتا ہے کیوں کہ ایمان خود طاقت ہے اور مومن کے ساتھ خدا ہوتا ہے جو سب سے بڑی طاقت ہے۔